منہج سلف کی چند بنیادی خصوصیات

ڈاکٹر خالد ولید الربیع ، کویت ترجمہ: قاری ذکاءاللہ سلیم، برمنگھم

یوں تو امت محمدیہ کا ہر گروہ اور فرقہ اس بات کا دعوے دار ہے کہ وہ صراط مستقیم پر گامزن ہے، حق کا علمبردار ہے اور اسلاف سے حقیقی نسبت رکھتا ہے، مگر قرآن وسنت کی تعلیمات اور اسلاف (صحابہ کرامؓ وتابعینؒ عظام) کے اقوال کی روشنی میں اہل حق کی چند بنیادی خصوصیات ہمارے سامنے آتی ہیں (جو درج ذیل ہیں) ان خصوصیات کو مدنظر رکھ کر اہل دانش واصحابِ بصیرت یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کون سا گروہ فرقہ ناجیہ ہے اور کون لوگ صحیح معنوں میں اسلاف سے نسبت رکھتے ہیں اور اس نسبت کے حق دار بھی وہی ہیں۔

حق کو تھامنا

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿هو الذی أرسل رسوله با لهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله و لو کره المشر کون﴾.(الصف: ۹)

"اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اسے تمام ادیان پر غالب کردے، اگرچہ مشرکین کو یہ پسند نہیں" اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک انتہائی عظیم احسان کا ذکر فرمایا ہے کہ اس نے انبیاء ورسل میں سے سب سے افضل واعلیٰ پیغمبر کو سب سے بہتر کتاب اور اشرف دین دے کر انسانیت کی طرف مبعوث فرمایا ہے، یہ دین حق وباطل کا فرق واضح کرتا ہے اور اپنے اندر علم نافع اور عمل صالح کے ساتھ ساتھ وہ سب کچھ رکھتا ہے جو دنیا وآخرت کی بھلائیوں اور کامیابیوں کے حصول کے لئے لازمی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دین اس لئے بھیجا ہے تا کہ اسے حجت اور برہان کے ذریعے تمام ادیان پر غالب کردے اور اس دین کے نام لیواؤں کو شمشیر وسنان کے ذریعے سطوت وسلطنت عطا کردے۔ اس لئے اس کا حکم ہے کہ ایمان دار اس دین کو تھامے رہیں اور اسی منہج پر جمے رہیں جو ہر لحاظ سے واضح ہے تا کہ وہ دنیا وآخرت کی سعادتیں سمیٹ سکیں اور دین سے انحراف کرنے اور اس سے کنارہ کشی کر کے کسی دوسری راہ اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ﴿اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعو ا من دونه أولیاء﴾ ۔(الاعراف: ۳)" جو تمھارے رب کی طرف سے تمھاری طرف نازل ہوا ہے اسی کا اتباع کرو اور اس کے سوا دوسرے سرپرستوں کے پیچھے مت چلو"۔

جوتمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے سے مراد قرآن حکیم اور اس کے ساتھ حدیث شریف ہے، کیونکہ حدیث قرآن کریم کا بیان اور اس کی تفسیر ہے، اور اس کے سوا دوسرے سرپرستوں کے پیچھے مت چلو، سے مراد یہ ہے کہ اس دین کو چھوڑ کر کسی کو اپنا مت بناؤ اور پھر ان بڑوں کی خواہشات کی تکمیل کے لئے قرآن وسنت سے انحراف مت کرو اور ان کی وجہ سے حق سے روگردانی مت کرو۔ قرآن وسنت کے بہت سے نصوص، صحابہ کرامؓ وتابعینؒ کے کثیر اقوال اور ائمہ ومحدثین کے بہت سے فرمودات میں اللہ کی وحی کو مضبوطی سے تھامنے اور نبی ﷺ کے دکھائے ہوئے طریق ہدایت پر گامزن رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اس کے مقابلے میں لوگوں کی باتیں اور بڑوں کی آراء پیش کرنے سے منع کیا گیا ہے، اگرچہ وہ بڑے کتنے ہی بلند شان اور عالی مرتبت کیوں نہ ہوں، چہ جائیکہ ان کے اقوال وآراء کو اللہ کے حکم اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے مقدم سمجھا جائے۔

یاد رہے! ہر صاحب ایمان کا فرض ہے کہ جب اس کے سامنے حق واضح صورت میں آجائے تو وہ کسی دوسرے کی رائے معلوم کرنے یا اس کی بات قبول کرنے کی بجائے حق کو مانے اور اس کی اتباع کرے۔ قرآن و حدیث کے متعدد دلائل میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ راہ نجات صرف اور صرف اتباع حق میں ہے، شخصیات کے پیچھے چلنے میں نہیں، لہٰذا اقوال وآراء کو حق پر پرکھا جائے تاکہ ان کی صحت وسلامتی اور خطا و بطلان واضح ہوسکے۔ خبردار! شخصیات کی پیروی کرنا اور ان کے اقوال، آراء اور اجتہادات کو حق کے مطابق جانچے پرکھے بغیر مطلقاً قبول کرتے جانا، نہایت خطرناک راہ اور اسلاف کی سیرت کے خلاف ہے، امام شاطبیؒ فرماتے ہیں: لوگوں کی باتوں اور ان کے فیصلوں کو قبول کرتے جانا اور یہ سمجھنا کہ وہ دراصل شرعی احکام کو سمجھنے کا محض ذریعہ اور وسیلہ ہیں، جس کا خود شریعت نے حکم دیا ہے، سراسر گمراہی ہے جب کے دوٹوک دلیل اور اعلیٰ ترین فیصل سوائے شریعت کے کوئی دوسری چیز نہیں اور ہمارا دعویٰ ہے کہ اصحاب رسول کا یہی مذہب اور طریقہ تھا، جو شخص صحابہ کرامؓ کی سیرت اور ان کے ارشادات کو دیکھتا اور ان کے معاملات پر نظر ڈالتا ہے اسے اس بات کا یقینی علم ہو جاتا ہے۔ (الاعتصام ۲/ ۳۵۵) نیز فرماتے ہیں: بہت سے لوگ شرعی دلیل سے اعراض اور شخصیات پر اعتماد کر کے راہ حق سے پھسل گئے اور اسی وجہ سے صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ عظام کے منہج سے ہٹ گئے اور بغیر سوچے محض اپنی خواہشات کی پیروی میں صراطِ مستقیم سے بھٹک گئے۔ (الاعتصام: ۲/ ۳۴۷) پھر مزید فرماتے ہیں: شخصیات کی پیروی کرنا گمراہ لوگوں کا طریقہ ہے۔ (الاعتصام: ۲/ ۳۵۰) حق کو تھام رکھنے اور شخصیت پرستی سے اجتناب کرنے کے بارے میں ذرا چند شرعی

دلائل اور اسلاف کے آثار ملاحظہ فرمایئے: فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿**یا ایھا الذین آمنو الا تقدموا بین یدی اللہ و رسولہ و اتقوا اللہ ان اللہ سمیع علیم** ﴾۔(الحجرات:۱)"اے ایمان والو! اللہ و رسول سے پیش قدمی مت کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بلا شبہ اللہ تعالیٰ سننے اور جاننے والا ہے"۔ شیخ عبدالرحمٰن السعدی فرماتے ہیں: اس آیت میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ادب، تعظیم اور احترام و اکرام کا حکم ہے، اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ وہ ایمان کے تقاضے پورے کرتے ہوئے اس کے حکموں کو بجالائیں اور جن چیزوں سے اس نے منع کیا ہے ان سے اجتناب کریں اور اپنے تمام تر معاملات میں رسول اللہ ﷺ کی سنت کی اتباع کرتے ہوئے اللہ کے حکموں سے پیچھے پیچھے چلیں اور اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنے کی جرات نہ کریں، لہذا جب تک اللہ تعالیٰ کا ارشاد نہ ہو، کچھ نہ کہیں اور جب تک اس کا حکم نہ ہو کچھ حکم نہ کریں۔

نیز اس آیت مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی کے قول و عمل کو آپ کے قول و عمل پر مقدم رکھنے کی سخت ممانعت ہے، چنانچہ جب سنت رسول واضح ہو جائے تو اس کی اتباع کرنا اور اسے دوسرے تمام طریقوں پر مقدم رکھنا واجب ہے، وہ دوسرا طریقہ خواہ کسی کا بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿**و ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم و من ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئاً و سیجزی اللہ الشاکرین** ﴾(آل عمران ۱۴۴)

"محمد ﷺ اللہ کے رسول ہی تو ہیں، آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں، تو کیا اگر آپ فوت ہو جائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو تم اپنی ایڑھیوں کے بل (حق سے) پلٹ جاؤ گے اور جو شخص الٹے پاؤں پلٹ جائے گا وہ اللہ کو تو کچھ نقصان نہیں پہنچائے گا اور اللہ شکر گزاروں کو (اللہ کے شکر کا) بدلہ ضرور دے گا"۔

شیخ ابن سعدیؒ فرماتے ہیں: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کیلئے یہ ارشاد ہے کہ (وہ ایمان میں اس قدر پختہ و ثابت ہوں کہ) کسی صورت میں ان کے ایمان یا ایمان کے لوازمات سے ان کے رئیس کی عدم موجودگی یا ان کا فوت ہو جانا انہیں ہلا نہ سکے اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب ہر شعبہ دین میں ایسے اہل علم و دانش ہمہ وقت تیار موجود ہوں کہ اگر ان میں سے ایک معدوم ہو جائے تو دوسرا اس کی جگہ کھڑا ہو کر اس ذمہ داری کو سنبھال سکے اور بالعموم سب مومنوں کا مقصد وحید اللہ کے دین کو قائم کرنا اور اس کے لئے ہر ممکن جدو جہد کرنا ہو۔ رئیس و قائد مقصود اول نہ ہوں (کہ ایک کی موجودگی میں چھوڑ دیا جائے) بس اسی طریقے سے مسلمانوں کے امور درست

ہوسکتے ہیں اور بطریق احسن انجام پاسکتے ہیں۔☆ حضرت عمر بن خطابؓ سے منقول ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے پاس تورات لے کر آئے جو انہوں نے اہل کتاب سے حاصل کی تھی اور اسے پڑھنا شروع کیا، آپ سخت غضبناک ہوئے اور فرمایا؛ اے خطاب کے بیٹے (عمر)! کیا تمہیں اس (دین) کے بارے میں کچھ تردد ہے یا اس سے جان بوجھ کر بے پرواہی برت رہے ہو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تمہارے پاس واضح، صاف اور شفاف ملت و دین لے کر آیا ہوں، اہل کتاب سے (دین کے بارے میں) کچھ نہ پوچھو، ہوسکتا ہے کہ وہ تمہیں سچ بتلائیں اور تم اسے جھٹلا دو، اور ہوسکتا ہے کہ وہ تمہیں جھوٹ اور باطل بتلائیں اور تم اسے سچ مان لو۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کئے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔ (اس روایت کو امام احمدؒ اور ابن ابی عاصمؒ نے سند سے نقل کیا ہے)

☆ انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم کسی کے نیک عمل کو دیکھ کر اس پر تعجب نہ جایا کرو، جب تک کہ اس کے خاتمہ حیات کو نہ دیکھ لو، کیونکہ بسا اوقات انسان عرصہ دراز تک نیکی کرتا رہتا ہے کہ اگر اسی حالت میں اس کی موت واقع ہو جائے تو وہ جنت میں داخل ہو جائے مگر بالآخر وہ نیک اعمال چھوڑ کر برے اعمال کرنے لگتا ہے اور بسا اوقات انسان زمانہ بھر ایسے اعمال کرتا رہتا ہے کہ اگر اسی حالت میں اس کی موت واقع ہو جائے تو وہ جہنم میں جا داخل ہو، مگر وہ برائیاں ترک کر کے نیک اعمال کرنے لگتا ہے، الغرض جب اللہ تعالیٰ کسی انسان سے بھلائی کا ارادہ رکھتا ہے تو اسے موت سے قبل نیکی کی توفیق دے کر اس پر لگا دیتا ہے۔ (اسے ابن ابی عاصم نے کتاب السنہ میں روایت کیا ہے اور شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ ۱/۱۷۴)

☆ حضرت انسؓ ہی سے ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کسی انسان کے خاتمہ حیات کو جان لینے سے پہلے اس پر قطعاً خوش نہ ہو جایا کرو۔ (کتاب السنہ، شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

☆ اسی طرح انسؓ کی ایک اور روایت میں ہے، فرماتے ہیں کہ مجھے بتایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے (تم میں ایسے لوگ ظاہر ہونگے جو عبادتیں کریں گے اور دین داری ظاہر کریں گے، حتیٰ کہ وہ تمہیں اچھے لگیں گے اور وہ خود بھی اپنے آپ کو اچھا سمجھیں گے، لیکن دین سے ایسے ہی باہر نکل چکے ہوں گے جیسے تیر شکار کے اندر سے گزر کر نکل جاتا ہے)۔ (کتاب السنہ، البانی نے اسے صحیح کہا ہے)

☆ سیدنا عمر بن خطابؓ کا فرمان ہے: تین چیزیں دین کو ڈھا دیتی ہیں، عالم کی لغزش و خطا، منافق کا

قرآن کے ساتھ بحث وتکرار اور جدال کرنا اور گمراہ امام۔(اسے امام ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم وفضلہ میں نقل کیا ہے)

☆ابودرداءؓ فرماتے ہیں: مجھے تم لوگوں کے بارے میں عالم کی غلطی وکوتاہی اور منافق کے قرآن کے ساتھ جدال کرنے کا خطرہ ہے، حالانکہ قرآن حق ہے اور جس طرح کسی راستے کی نشاندہی کے لئے نشان ہوتے ہیں اسی طرح قرآن سے رہنمائی لینے کے لئے بھی علامات ہیں۔(جامع بیان العلم وفضلہ)

☆ ابن عباسؓ فرماتے ہیں: عالم کی لغزشوں پر چلنے والوں کے لئے تباہی اور بربادی ہے، پوچھا گیا، یہ کیسے؟ فرمایا: بسا اوقات عالم اپنی رائے سے کوئی بات کہتا ہے، پھر اسے ایسا شخص مل جاتا ہے جو اس کی بہ نسبت رسول اللہ ﷺ کے بارے میں زیادہ علم رکھتا ہے، چنانچہ عالم تو اس شخص کی وجہ سے اپنی رائے ترک کردیتا ہے مگر اس کے پیروکار اسی غلط رائے پر چلتے رہتے ہیں۔

☆ حضرت علیؓ فرماتے ہیں: لوگوں کے طریقوں پر چلنے سے بچو، کیونکہ کبھی انسان جنتیوں والے اعمال کرتا رہتا ہے، پھر اللہ کے طے شدہ علم کے مطابق وہ پلٹ کر جہنمیوں والے اعمال کرنے لگتا ہے، چنانچہ وہ مرتا ہے تو دوزخی ہو کر اور کبھی انسان جہنمیوں والے اعمال کرتا رہتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کے حتمی علم کے مطابق وہ پلٹ کر جنتیوں والے اعمال کرنے لگتا ہے، چنانچہ اس کی موت واقع ہوتی ہے تو وہ جنتیوں میں سے ہوتا ہے، اگر تم نے کسی کے راستے پر چلنا ہی ہو تو فوت شدہ لوگوں (یعنی اسلاف) کے راستوں کو اپناؤ، زندہ لوگوں کے راستوں کو نہیں۔(کیونکہ فوت شدہ کا خاتمہء حیات سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ واقعتاً اس قابل ہے کہ اس کا طریقہ اختیار کیا جائے یا نہیں۔)(الجامع لابن عبدالبر)

☆ ابن مسعودؓ کا قول ہے: تم میں سے کوئی شخص اپنے دین کو اس طرح کسی انسان کے تابع نہ کردے کہ اگر وہ مومن ہے تو یہ بھی مومن رہے، اور اگر وہ کفر کا ارتکاب کرلے تو یہ بھی کافر ہو جائے، کیونکہ (رسول اللہ ﷺ کے سوا) کوئی انسان آئیڈیل اور نمونہ نہیں ہے۔(الجامع)

☆ابن مسعودؓ کا معروف اثر ہے: تمہیں اگر کوئی طریقہ اپنانا ہو تو کسی فوت شدہ (سلف) کا طریقہ اپنائے، کیونکہ زندہ انسان کے فتنہ سے بچنے کا کوئی یقین نہیں ہے، یہ محمد ﷺ کے صحابہ ہیں کہ جو اس امت کے افضل ترین لوگ ہیں جو دلوں کے نیک، علم کی گہرائی پانے والے اور بہت کم تکلف کرنے والے ہیں، انہیں اللہ

تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت اور دین کی سر بلندی کے لئے بطور خاص چنا ہے، لہذا ان کے مقام و مرتبہ کو جانتے ہوئے ان کے آثار پر چلو، کیونکہ یہ لوگ بالکل ٹھیک سیدھے راستے پر تھے۔

☆ عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں: بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ اسلام کی اشاعت میں ان کا خاصا کردار اور نیک آثار ہوتے ہیں، مگر ان سے بھی لغزش، کوتاہی اور خطا ہو جاتی ہے لہذا ان کی خطا اور لغزش میں ان کی اقتداء نہ کی جائے۔

☆ امام مالکؒ فرماتے ہیں: کسی بھی انسان کی ہر بات قابل اتباع نہیں ہوتی، اگر چہ وہ کتنا ہی صاحب فضل ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ﴾ (الزمر:۱۸) " اللہ والے باتیں تو بہت سنتے ہیں مگر پیروی اس بات ہی کی کرتے ہیں جو افضل و احسن ہوتی ہے"۔

☆ امام زہریؒ کا قول ہے: ہمارے پرانے علماء کہا کرتے تھے، سنت کو مضبوطی سے تھامنے ہی میں نجات ہے اور علم بڑی تیزی سے قبض کیا جارہا ہے، علم کا زندہ رہنا دین و دنیا کا ثبات اور پائیداری ہے اور علم کے اٹھ جانے میں ان سب کچھ کا فنا ہو جانا ہے۔

☆ امام اوزاعیؒ کہتے ہیں: کہا جاتا تھا کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں جن پر صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ قائم رہتے اور ان کی پابندی رکھتے تھے، جماعت سے وابستہ رہنا، سنت کا اتباع کرنا، مسجدوں کو آباد کرنا، قرآن کی تلاوت کرنا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا۔

☆ امام مجاہدؒ فرماتے ہیں: ہر انسان کی کسی بات کو قبول کیا جاتا ہے اور کسی بات کو رد کیا جاتا ہے، سوائے نبی کریم ﷺ کے۔

☆ امام ابن خزیمہؒ فرماتے ہیں: جب صحیح حدیث ثابت ہو جائے تو پھر رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مقابلہ میں کسی کے قول کی کچھ حیثیت نہیں۔ الغرض ایک سچے طالب حق اور متبع سنت کو چاہیئے کہ اس کھرے اصول اور واضح مسلک کو اپنائے، قرآن و سنت کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط رکھے، اسلاف کے منہج کے مطابق شرعی نصوص کی قدر کرے اور ان نصوص کے مقابلہ میں کسی بھی انسان کے قول یا رائے کو مقدم رکھنا تو درکنار ان کے برابر اور سامنے بھی نہ لائے اور کسی کی نیکی، اچھائی اور بھلائی سے خوش ہو کر دھوکے میں نہ آجائے، کیونکہ کسی بھی زندہ انسان کے فتنوں اور آزمائشوں سے بچے رہنے کا کچھ یقین نہیں۔ لہذا قابل اتباع اور لائق اقتدا نبی اکرم ﷺ ہی کی

شخصیت مبارکہ ہے اور آپ کے بعد آپ کے وہ صحابہ ہیں جن کے تزکیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئے ہیں، اور جب نبی ﷺ اس جہان سے رخصت ہوئے تو ان سے خوش اور راضی تھے، اور پھر ان کے بعد وہ لوگ ہیں جنہوں نے نیکی اور پرہیزگاری میں صحابہ کرام کے نقش قدم کو مشعل راہ بنایا، جن کے بارے میں ارشاد نبوی ہے (خیر الناس قرنی ثم الذین یلو نھم ثم الذین یلو نھم) " سب سے بہتر میرے دور کے لوگ ہیں، پھر وہ جو ان کے بعد ہیں، پھر وہ جو ان کے بعد ہیں"۔ (بخاری و مسلم)

منہج سلف کی دوسری خصوصیت عدل و انصاف کرنا اور کہنا ہے۔ عدل و انصاف، اسلام کے بنیادی اصول اور اساسی قواعد میں سے ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، ﴿ان اللہ یامر بالعدل و الاحسان وایتاء ذی القربی﴾ (النحل: ۹۰) "یقیناً اللہ تعالیٰ عدل، احسان اور رشتے داروں کو دینے کا حکم کرتا ہے"۔ شیخ ابن سعدیؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے عدل کرنے کا جو حکم دیا ہے، اس میں اللہ کے حق میں اور اس کے بندوں کے حق میں ہر دو کے ساتھ عدل کرنا شامل ہے اور عدل سے مراد تمام حقوق کو پورا پورا ادا کرنا ہے۔ یعنی بندہ ان تمام مالی اور جسمانی حقوق کی ادائیگی کرے جو اللہ کی طرف سے اس کے ذمے واجب قرار دیئے گئے ہیں اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ کرے۔ لہذا ہر صاحب اختیار اپنے اختیار کے اعتبار سے اپنے واجبات کو پورا کرے، خواہ یہ اختیار امانتِ کبریٰ یا قضاء کی شکل میں ہوں یا خلیفہ اور قاضی کے منصب کی صورت میں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور اپنے رسول ﷺ کی زبان سے بندوں پر جو کچھ فرض کیا ہے اور اس پر چلنے کا حکم دیا ہے وہ سب عدل ہے، لہذا عدل کرنا واجب اور احسان کرنا مستحب ہوا، اسے ایسے ہی سمجھیں جیسے اپنے مال و جان وغیرہ کے ذریعہ لوگوں کو فائدہ پہنچانا ہے۔ شریعت اسلامیہ کے اصول و فروع اور اس کے عمومی مسائل اور نجی معاملات سب میں عدل و انصاف اور رحمت ہے، گویا یہ شریعت سراپائے عدل و رحمت ہے، اس لئے اپنے ماننے والوں کو بھی یہی حکم دیتی ہے کہ وہ اپنے تمام تر امور میں عدل کا برتاؤ کرے اور سب لوگوں کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرے، خواہ کوئی ان کا مخالف ہو یا حامی اور قریبی اور پیارے کی محبت کا پاس اور اجنبی غیر محبوب سے نفرت کئے بغیر برابر کا انصاف کرنے کی تلقین کرتی ہے۔ لہذا عدل و انصاف اس ملت بیضاء کا بہت بڑا امتیاز ہے اور اہل السنہ والجماعہ سلف صالحین کی نمایاں خصوصیت بھی ہے، جنہوں نے اپنوں اور بیگانوں سب کے ساتھ عدل و انصاف کر کے تاریخ انسانی میں عمدہ ترین مثالیں قائم کی ہیں اور درج ذیل شرعی نصوص اور اسلاف کے آثار اس امر کی نشاندہی

کرتے ہیں کہ عدل وانصاف ہی ایک ایسی مشعل راہ ہے جس کی راہنمائی میں اہل ایمان اور داعیانِ حق مبین اپنے تعلقات دوسروں کے ساتھ مضبوط کر سکتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے﴿**یا ایھا الذین امنوا کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط ولا یجرمنکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی و اتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون**﴾. (المائدہ:۸)"اے اہل ایمان! اللہ کے لئے حق پر قائم ہو جانے والے، عدل وانصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بنو اور کسی قوم کی عداوت تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کردے کہ تم عدل کرنا ہی چھوڑ دو، عدل کرو، یہ پرہیز گاری کے قریب تر ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے"۔دوسری جگہ یوں فرمایا﴿**یا ایھا الذین امنوا کونوا قوامین بالقسط شھداءللہ و لو علی انفسکم او الوالدین و الاقربین ان یکن غنیا او فقیراً فاللہ اولی بھما فلا تتبعوا الھوی ان تعدلوا و ان تلوا او تعرضوا فان اللہ کان بما تعملون خبیرا**﴾۔(النساء:۱۳۵)"اے ایمان والو! اللہ کے لیے شہادت دیتے ہوئے عدل وانصاف قائم کرنے والے بن جاؤ، خواہ وہ تمہاری ذاتوں، والدین یا رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ پڑتا ہو، اگر وہ مال دار ہے تو یا کنگال ہے تو، اللہ تعالیٰ ان دونوں سے تمہارے زیادہ قریب ہے، لہذا عدل برتنے میں خواہشات کے پیچھے نہ پڑو، اگر تم نے روگردانی کی یا پہلو تہی کی تو یاد رکھو اللہ تمہارے سب اعمال سے خوب باخبر ہے"۔

شیخ ابن سعدیؒ فرماتے ہیں: عدل وانصاف کی سب سے بڑی قسم، اقوال اور اصحاب اقوال میں عدل کرنا ہے، محض نسبت وتعلق یا دلی میلان کی بناء پر کسی قول کی تائید کرنا یا کسی صاحب قول کا ساتھ دینا درست نہیں، بلکہ باہم عدل وانصاف رکھنا لازمی ہے اور عدل کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ تمہارے پاس جو گواہی ہو اسے کما حقہ پیش کردو، خواہ اپنے پیاروں حتیٰ کہ خود اپنی ذات کے خلاف کیوں نہ ہو۔۔۔۔اور عدل قائم رکھنا انسان کے دین دار ہونے کی سب سے بڑی علامت اور اس کے ورع وتقویٰ کی بہت بڑی دلیل ہے۔اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ﴿**و اذا قلتم فاعدلوا و لو کان ذاقربی**﴾(الانعام:۱۵۲)" جب بھی بات کرو، عدل وانصاف کی بات کرو، خواہ رشتہ دار (کی بات) ہی کیوں نہ ہو"۔شیخؒ فرماتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ جن سے تمہیں محبت ہے، ان کے ساتھ اور جن سے محبت نہیں اس کے ساتھ بھی صدق وسچائی اور انصاف کا معاملہ کرو اور جس چیز کو بیان کرنا لازمی ہے، اسے مت چھپا کر رکھو، کیونکہ جس کے ساتھ محبت نہ ہو اس کے بارے میں تنقید کرنا اور اس پر ناجائز گفتگو کرنا، ظلم ہے،

جسے حرام قرار دیا گیا ہے۔حتیٰ کہ جب کوئی عالم اہل بدعت کے بارے میں گفتگو کر رہا ہو تو اس کا بھی یہ فرض بنتا ہے کہ ہر حق دار کا حق پورا پورا ادا کرے اور اہل بدعت کی باتوں میں سے حق اور باطل دونوں کی وضاحت کرے اور یہ بتلائے کہ وہ حق سے کتنے قریب اور کس قدر بعید ہیں۔سیدنا انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تین چیزیں باعث نجات ہیں: خلوت اور جلوت میں اللہ کا ڈر، خوشی اور ناراضگی میں عدل اور تنگ دستی و خوشحالی میں میانہ روی۔۔۔۔اور تین چیزیں موجب ہلاکت ہیں: وہ خواہش جس کے پیچھے آدمی چل پڑے، وہ بخل جس کا آدمی غلام بن کر رہ جائے اور خود پسندی۔امام مناویؒ فرماتے ہیں: عدل و انصاف کا اس حد تک اہتمام کیا جائے کہ کوئی شخص غصے کی بناء پر ظلم وزیادتی پر نہ اتر آئے، اور نہ کسی کی خوشی اور رضامندی کی وجہ سے ایسا ممنوع کام کر بیٹھے کہ جس سے مخلوق تو راضی ہو جائے (مگر خالق ناراض ہو) امام مسلمؒ نے عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ عدل و انصاف کرنے والے اللہ رحمٰن کے دائیں ہاتھ نور کے منبروں پر ہوں گے، اور اللہ کے دونوں ہاتھ ہی دائیں ہیں۔یعنی وہ لوگ جو اپنے فیصلوں میں اپنے اہل وعیال میں اور اپنے ماتحتوں میں عدل کرتے ہیں۔عمار بن یاسرؓ فرماتے ہیں (جس شخص نے اپنے اندر تین چیزیں سمیٹ لیں اس نے ایمان کو سمیٹ لیا اپنی طرف سے انصاف کرنا، عالم دین کو سلام کرنا اور تنگی معاش کے باوجود اللہ کی راہ میں خرچ کرنا) اس روایت کو امام بخاریؒ نے تعلیقاً (بلاسند) نقل فرمایا ہے اور شارحین لکھتے ہیں کہ ان تین اوصاف سے متصف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ذریعہ انسان اپنے ایمان کی تکمیل کر لیتا ہے، کیونکہ ایمان کا دارومدار درحقیقت انہی اوصاف پر ہے، چنانچہ جب بندہ عدل و انصاف کی خوبی سے متصف ہو تو وہ اپنے مولیٰ ورب کا ہر وہ حق ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے جو اس کے ذمے واجب ہوتا ہے اور ہر اس چیز سے اجتناب کرتا ہے جس سے اسے روک دیا گیا ہے اور اسی سے ارکان ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ سیدہ عائشہؓ نے عروہ بن زبیرؓ کو سنا کہ وہ حسان بن ثابتؓ کو برا بھلا کہہ رہے تھے اور حسان بن ثابت واقعہ افک میں ملوث لوگوں میں سے ایک تھے۔تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا: اے بھانجے! حسان کو رہنے دے، (یعنی اسے برامت کہہ) کیونکہ وہ رسول اللہ کا دفاع کیا کرتے تھے۔ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ حضرت عائشہؓ اس بات کو برا جانتی تھیں کہ حضرت حسانؓ کو برا بھلا کہا جائے اور کہا کرتیں کہ یہی تو وہ حسان ہے جس نے یہ اشعار کہے ہیں (فـان ابـی ووالـده و عرضی لعرض محمد منكم وقاء) میرے باپ دادا اور میری عزت، محمد ﷺ کی عزت کو تم سے

بچانے کے لئے ڈھال ہیں۔

عاصم بن کلیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ہم حضرت علیؓ کے پاس گئے تو انہوں نے حضرت عائشہؓ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وہ رسول اللہ ﷺ کی پیاری تھیں۔ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں: یہ امیر المومنین حضرت علیؓ کا حضرت عائشہؓ کے بارے میں بیان ہے، باوجود یہ کہ ان کے مابین اختلافات بھی واقع ہوئے ہیں۔ امام مسلمؒ عبدالرحمٰن بن شماشہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں حضرت عائشہؓ کے پاس کوئی مسئلہ دریافت کرنے آیا تو انہوں نے پوچھا: تو کن میں سے ہے؟ میں نے کہا: میں اہل مصر کا ایک فرد ہوں۔ انہوں نے فرمایا: جنگوں کے درمیان تمہارے امیر کا تمہارے ساتھ کیسا سلوک رہا؟ (یعنی حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکر کے قاتل ابن حدیج کا) تو عبدالرحمٰن نے جواب دیا: ہم نے اس میں کوئی عیب نہیں پایا، ہم میں سے کسی شخص کو اونٹ کی ضرورت ہوتی تو وہ اسے اونٹ دینے کی خاطر جان کی بازی لگانے کیلئے بھی تیار ہو جاتا، اور جس کو غلام کی ضرورت ہوتی اس کو غلام دیتا اور جو نان ونفقہ کا ضرورت مند ہوتا اسے نان ونفقہ مہیا کرتا۔ حضرت عائشہؓ فرمانے لگیں: اس نے میرے بھائی محمد بن ابی بکرؓ کے ساتھ جو بھی سلوک کیا، اس کے باوجود میں وہ بات کرنے سے باز نہیں رہ سکتی جو میں نے اپنے اس گھر میں رسول اللہ ﷺ سے سنی تھیں، آپ نے دعا کی تھی: اے اللہ! جو شخص میری امت کے کسی معاملے کو سنبھالے اور ان پر سختی کرے تو بھی ان پر سختی کرنا اور جو میری امت کے کسی بھی کا ذمہ دار بنے اور ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے تو بھی اس پر شفقت فرمانا۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: اس روایت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ خوبیوں والوں کی خوبیوں کا ذکر کرنا چاہیئے اور اور کسی عداوت وغیرہ کی وجہ سے اسے چھوڑ نہیں دینا چاہیئے۔

رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن رواحہؓ کو خیبر کی طرف روانہ فرمایا کہ ان کی کھجوروں کا اندازہ کر کے آئیں، اہل خیبر (یہود) نے انہیں رشوت دینے کی کوشش کی تو انہوں نے فرمایا: اے اللہ کے دشمنو! تم مجھے حرام کھلانا چاہتے ہو؟ حالانکہ میں اس ہستی کے پاس سے آیا ہوں۔ جو سب سے بڑھ کر مجھے محبوب ہے اور تم لوگ میرے نزدیک سب سے مبغوض اور ناپسندیدہ ہو اور تم میں سے بہت سے بندر اور خنزیر بنائے گئے ہیں مگر تمہارے ساتھ بغض وعداوت اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت مجھے اس بات پر قطعاً آمادہ نہیں کرتی کہ میں تمہارے بارے میں عدل نہ کروں، یہودی یہ بات سن کر کہنے لگے: اسی عدل کی بنا پر آسمان و زمین قائم ہیں۔

ابن عبدالبر فرماتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن جب اللہ کی خاطر کسی سے بغض رکھتا ہے تو یہ بغض اسے ظلم کرنے پر آمادہ نہیں کرتا۔

نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہراتؓ کی غیرت ایک دوسرے کی خوبیاں بیان کرنے سے ان کے لئے رکاوٹ نہ بنی۔ حضرت عائشہؓ، حضرت زینبؓ بنت جحش کے بارے میں فرماتی ہیں (یہی زینب ہے جو رسول اللہ ﷺ کا قرب حاصل کرنے کیلئے میرا مقابلہ کیا کرتی تھیں۔ اور میں نے زینب سے بڑھ کر دین کے معاملے میں بہتر اللہ سے ڈرنے والی، بات کی سچی، صلہ رحمی کرنے والی، صدقہ وخیرات کرنے والی اور اللہ کا قرب حاصل کرنے کیلئے نیک اعمال میں بازی لے جانے والی کوئی عورت نہیں دیکھی۔ (مسلم)

اور جب رسول اللہ ﷺ نے واقعہ افک کی بابت زینبؓ سے عائشہؓ کے بارے میں پوچھا کہ اے زینب! تو عائشہ کے بارے میں کیا جانتی ہے اور تیرا اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟ تو زینب نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں اپنے کانوں اور آنکھوں کی حفاظت رکھتی ہوں، میں عائشہؓ کے بارے میں خیر اور نیکی کے سوا کچھ نہیں جانتی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: کہ زینبؓ میرا مقابلہ کیا کرتی تھیں۔ مگر اللہ نے ورع وتقوی کے ذریعہ ان کی حفاظت فرمائی۔ (بخاری ومسلم)

محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں: اگر تو اپنے مسلمان بھائی کی وہ برائیاں ذکر کرے جو تو نے دیکھی ہیں، مگر اس کی نیکیوں کو چھپائے اور ان پر پردہ ڈالے تو یہ ظلم ہے۔

سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں: نیک لوگوں کے تذکرے کرنے سے اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے، اور جو حسد اور تعصب کی بناء پر ان سے سرزد ہونے والی ان باتوں کو تو یاد رکھے جو ان کے باہم واقع ہوئی ہیں، مگر ان کے فضائل کو بھول جائے تو اسے نیکی کی توفیق ہی نہیں ملتی اور وہ غیبت میں واقع ہو جاتا ہے اور صراط مستقیم سے ہٹ جاتا ہے۔

علی بن مدینیؒ سے ان کے والد کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: کسی اور سے پوچھ لو، لوگوں نے کہا ہم آپ سے پوچھنا چاہتے ہیں تو انہوں نے اپنا سر جھکاتے ہوئے فرمایا: یہ دین کا معاملہ ہے، میرا باپ حدیث کے بارے میں ضعیف اور کمزور ہے۔ اور زید بن انیسہ فرماتے ہیں: میرے بھائی یحیی بن انیسہ سے روایت نہ لیا کرو۔

امام شافعیؒ کا قول ہے: میں نے جب بھی (مناظر کی صورت میں) کسی سے بات کی، تو یہ تمنا کی کہ میرے فریق مخالف کو اللہ کی توفیق و معاونت حاصل ہو، اور وہ اللہ کی حفظ وامان میں رہے۔ اور جب بھی کسی سے بات کی، تو یہ پرواہ نہ کی کہ اللہ حق میری زبان سے نکلواتا ہے یا مخالف کی زبان سے۔ نیز فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! میں نے جس کسی سے مناظرہ کیا، خیر خواہی کے لئے کیا، اور یہ چاہا کہ اس سے یہ غلطی سرزد نہ ہو۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: میں اپنے مخالفین کے بارے میں کشادہ دل ہوں، میرا کوئی مخالف میرے بارے میں اللہ کی حدود کو پھلانگتے ہوئے اگر مجھے کافر اور فاسق کہے یا جھوٹے الزامات لگائے اور جاہلیت کا تعصب ظاہر کرے تو میں اس کے معاملے میں اللہ کی حدود سے تجاوز نہیں کرتا بلکہ جو کچھ کہتا اور کرتا ہوں اسے دلیل سے ثابت کرتا ہوں اور عدل کے ترازو میں رکھتا ہوں اور مخالف کو اس بات کا پابند کرنے کی کوشش کرتا ہوں کہ وہ اس قرآن کو مانے جسے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے بطور ہدایت اور ان کے باہمی اختلافات میں بطور حاکم اور فیصل نازل فرمایا ہے۔۔۔۔۔ یہاں تک کہ فرماتے ہیں: جو شخص آپ کے معاملے میں اللہ کی نافرمانی کا مرتکب ہو جائے، اسے آپ اس سے بہتر بدلہ اور جزا کوئی نہیں دے سکتے کہ اس کے معاملے میں اللہ کی اطاعت و فرماں برداری ملحوظ رکھیں اور امام ابن قیم فرماتے ہیں: عدل و انصاف کرنے والے لوگ وہ ہوتے ہیں جو ہر حق دار کو اس کا حق دیتے ہیں اور صحیح کو غیر صحیح یا غیر صحیح کو صحیح نہیں قرار دیتے بلکہ جو بات قابل قبول ہے اسے قبول کرتے ہیں اور جو لائق رد ہے اسے رد کرتے ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: (کسی سے مناظرہ و مباحثہ کی صورت میں) انسان پر سب سے پہلے یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ جو کچھ کرے اللہ کے لئے کرے، اور اللہ کے حکموں کی تعمیل کرنا اس کا مقصد ہو، اور وہ اصلاح کو پسند کرتا ہو اور اپنے مد مقابل پر حجت پوری کرے، اگر وہ اپنے منصب و عہدے کے لئے اور اپنی جماعت کی برتری ظاہر کرنے یا مد مقابل کو کم تر دکھانے کے لئے کرتا ہے تو یہ حمیت، اللہ کے ہاں مقبول نہ ہوگی، اسی طرح اگر شہرت و ریاء کی خاطر کرتا ہے تو اس کا عمل رائیگاں جائے گا، پھر جب فریق مخالف کی طرف سے اس کا رد کر دیا جائے یا اسے دکھ پہنچے یا اس پر یہ الزام عائد کر دیا جائے کہ غلطی اسی کی ہے اور اس کی نیت بھی خراب ہو تو اس کا جی چاہے گا کہ مخالف پر غلبہ اور تسلط جمائے اور اس طرح شیطان اس پر غالب آ جائے گا۔ چنانچہ اس کے اس کام کی ابتداء تو اللہ کے لئے ہی تھی مگر اس پر اس کی خواہش غالب آ گئی اور خواہش یہ کہ جس کی طرف سے اسے دکھ پہنچا ہے یہ اسے بھی دکھ دے اور بسا اوقات اس پر زیادتی بھی کر جائے گا۔ اور در

حقیقت مختلف آراء کے حاملین کے مابین یہی کچھ ہوتا ہے کہ ہر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وہی حق پر ہے اور وہی سنت پر قائم ہے، اسی لئے اکثر اپنی خواہش کے پیچھے چلتے ہوئے اپنے منصب وعہدہ یا اپنی جماعت اور اپنے فرقے کی خاطر یہ سب کچھ کرتے ہیں۔ ان کا مقصد اللہ کے کلمہ کی بلندی یا دین کی تبلیغ نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے مخالف پر غصہ وغضب کا اظہار کرتے ہیں اگر چہ وہ مجتہد ہی کیوں نہ ہوں کہ اگر اجتہاد میں اس سے غلطی ہوئی ہے تو اللہ اس پر ناراض نہیں ہوگا۔ اور اس کے برعکس اپنے حامی شخص کے ساتھ خوش رہتے ہیں اگر چہ وہ جاہل ہی کیوں نہ ہو، کہ جس کا ارادہ بھی برا ہے اور علم واخلاق سے بھی محروم ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جسے اللہ ورسول ﷺ نے اچھا نہیں جانا وہ اسے اچھا جانتے ہیں، اور جسے اللہ ورسول ﷺ نے برا جانا ہے وہ اسے برا نہیں جانتے، ان کی دوستی ودشمنی اور حمایت ومخالفت کا معیار نفسانی خواہشات ہوتی ہیں نہ کہ اللہ ورسول کا دین۔ اور خواہشات کے پجاری شخص کو اس کی خواہشات اندھا و بہرہ کر دیتی ہیں، چنانچہ وہ اللہ ورسول ﷺ کیلئے کچھ نہیں کرتا نہ اللہ ورسول ؐ کی رضا کیلئے راضی ہوتا ہے اور نہ اللہ و رسول ﷺ کی ناراضگی کی خاطر کسی سے ناراض ہوتا ہے بلکہ اپنی خواہش کے مطابق جو اچھا لگے اس پر راضی ہو جاتا ہے اور جو برا لگے اس پر ناراض ہو جاتا ہے اور اس طرح وہ دین میں شبہات کا باعث بھی بنتا ہے کہ اس کی خوشی و ناراضی گویا دینِ حق اور سنت کی خاطر ہی ہے، حالانکہ ایسا نہیں۔ اب اندازہ کیجئے کہ وہ شخص جس کے پاس حق اور خالص دین تو ہے مگر اس کا مقصد تبلیغ یا اعلائے کلمۃ اللہ نہیں بلکہ وہ اسے اپنی اور اپنی جماعت کی حمیت وغیرت کا مسئلہ جانتا ہے یا ریاء وشہرت کے لئے یہ سب کچھ کرتا ہے تا کہ اس کی عزت وتوقیر ہو اور اس کے نام کا چرچا ہو یا اپنی بہادری ظاہر کرنے یا دنیا کی کسی اور غرض کے لئے کرتا ہے تو اس کا یہ عمل اللہ کے لئے ہے نا اسے جہاد فی سبیل اللہ کہا جائے گا۔ تو پھر اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہوگا کہ جو دعویٰ تو اگر چہ حق اور سچ کا کرتا ہے مگر درحقیقت وہ اپنے مد مقابل کی طرح ہی ہے کہ اس کے پاس کچھ حق ہے اور کچھ باطل اور کچھ سنت ہے اور کچھ بدعت۔ حقیقت یہ ہے کہ دین میں اختلافات پھیلانے والوں کا یہی حال ہے کہ جنہوں نے دین کو پارہ پارہ کر کے جماعتوں اور گروہوں میں تقسیم کر دیا اور ایک دوسرے پر کفر وفسق کے فتوے عائد کئے۔ (منہاج السنۃ: ۵/ ۲۵۴) خلاصہ کلام یہ ہوا کہ طالب حق اور سیرت نبوی کے متلاشی کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے تمام تر امور ومعاملات میں عدل وانصاف کو ملحوظ رکھے اور جیسا کہ امام مناوی کا قول ہے کہ عدل وانصاف کا نتیجہ بلندی ہمت، خوبیوں کو سمیٹنا اور رزائل سے محفوظ رہنا ہی ہوتا ہے۔ (بشکریہ ماہنامہ صراط مستقیم برمنگھم)